جناب سلطان فریدی*

موت اس کی ہے کرے جس کا زمانہ افسوس

26فروری 2014 کو صبح ساڑھے سات بجے میں سکول جانے کی تیاری میں مصروف تھا کہ محلے کی مسجد سے کسی صاحب نے اعلان کیا: مولانا محمد ابراہیم بھائی خیل وفات پاگئے ہیں۔ جنازے کا اعلان بعد میں کیا جائیگا۔
میں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھی۔ دل ہی دل میں فاتحہ پڑھی۔ اللہ تعالی فانی مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں بلند مقام پر فائز کرے ان کے اہلِ خانہ اور ہم سب غمزدہ گان کو صبرِ جمیل کی توفیق دے آمین۔
میرے گھر سے سکول تک کا فاصلہ دس منٹ کا ہے۔ اس دوران میں، میں فانی صاحب کے علمی وادبی وتدریسی مقام پر غور کرتا رہا، ان کی تحریر کردہ کتب گویا گلستانِ علم وادب کے رنگ برنگے پھول ہیں۔
یہ کتابیں کچھ تدریسی کچھ سوانحی اور کچھ شعروادب پر مشتمل ہیں۔ ان کو نظم ونثر پر یکساں قدرت حاصل تھی نالہ زار، اردو شاعری کا مرقع، حیات صدرالمدرسین اور حیات شیخ القرآن ان کے نثری نقوش ہیں۔ دیگر فارسی، پشتو اور عربی کا منظوم کلام اس کے علاوہ ہے۔ نالہ زار سے ان کے یہ دو اشعار بار بار در دل پر دستک دینے لگے:

ہم کو دعوی خودستائی کا نہیں فانی مگر
ملتے ہیں دنیا میں ہم جیسے قلندر خال خال
زمانہ معترف ہے اب ہماری استقامت کا
نہ ہم سے قافلہ چھوٹا نہ ہم نے راستہ بدلا

پہلے شعر میں فانی صاحب اپنی قلندری اور درویش صفت طبیعت کے دعویدار ہیں۔ ایسا کرنے میں وہ حق بجانب ہیں کیونکہ آج وہ نہایت سادہ اور تصنع سے خالی زندگی گزار کر رخصت ہو رہے ہیں۔
دوسرے شعر میں وہ حق سے وابستگی اور سیدھے راستے پر چلنے کا مدعی ہیں جس پر ان کی چالیس سالہ تدریس، تحریر وتقریر میں گزری عملی زندگی شاہد ہے۔ واقعی وہ اس قافلہ سے عمر بھر وابستہ رہے جو ہر لحہ منزلِ حق وصداقت کی جانب گامزن ہے۔ یہی کچھ سوچتے سوچتے میں سکول کے بڑے گیٹ پر پہنچنے والا ہی تھا کہ میرا دھیان

---

* ادیب، شاعر، زروبی، صوابی

ایک بار پھر انکی رحلت پر گیا۔عین اسی لمحے میری نوکِ زبان پر یہ شعر موزوں ہو کر آ گیا۔

چھوڑ کر سب کچھ روانہ ہو گئے محترم فانی بقا کی راہ پر

میں نے سب سے پہلے کام یہ کیا کہ اس شعر کو نوٹس بورڈ پر چاک سے لکھ دیا ایک صاحب پیچھے سے دیکھ رہا تھا، اس نے نکتہ چینی کی:

سلطان صاحب! فنا کی راہ پر کیوں نہیں؟ بقا کی راہ پر کیوں؟ میں نے جواب دیا کہ کل تک فانی صاحب زندہ تھے اور آج زندہ جاوید ہو گئے۔اب وہ اپنے علمی وادبی آثار کے ساتھ رہتی دنیا تک یاد کئے جائیں گے۔ کیونکہ آثار نہیں مرتے، یہ اپنے ساتھ اپنے تخلیق کاروں کو زندہ رکھتے ہیں۔فانی صاحب کی علمی وادبی وتدریسی تخلیقات ان کی کتاب دل کی تفسیریں ہیں۔پھر میں اپنے کام میں لگ گیا۔چائے کا وقفہ ہوا تو دو اور صاحبوں نے اس شعر کو بغور پڑھا لیکن انھوں نے بھی وہی نکتہ اٹھالیا۔

مرنے والا فنا کے گھاٹ اترتا ہے یا بقا کے .....

میں پھر اپنے شعر کی تشریح کرنے لگا۔اس مرتبہ میں نے اپنے مرشد لاہوری سے مدد لی۔

موت کو سمجھے ہیں غافل اختتامِ زندگی ہے یہ شامِ زندگی، صبحِ دوامِ زندگی

میں نے کہا۔دیکھو اقبال نے کیا خوب بات کی ہے۔

وہ شخص غافل ہے جو موت کو زندگی کا انجام سمجھتا ہے۔موت تو موجودہ زندگی کی شام اور اخروی زندگی یعنی بقا کی صبح ہے رہی بات برزخی زندگی کی تو اس کی تشریح کے لیے میر تقی میر کا یہ شعر کافی ہے:

موت اِک ماندگی کا وقفہ ہے یعنی آگے چلیں گے دم لے کر

گیارہ بجے کے بعد ایک بار پھر مسجد سے یہ اعلان ہوا: مولانا محمد ابراہیم بھائی خیل وفات پا گئے ہیں۔ نمازِ جنازہ بعد از ظہر تین بجے گراونڈ میں ادا کی جائے گی۔زروبی میں دو جنازگاہ پہلے سے موجود ہیں ایک گاوں کے مغربی قبرستان کے لیے دوسرا مشرقی قبرستان کے لیے مختص ہے لیکن اس خیال سے کہ جنازہ میں آنے والے معمول سے زیادہ ہوں گے۔ممکن ہے کہ موجودہ مغربی جنازگاہ میں لوگ نہ سما سکیں تو فیصلہ کیا گیا کہ مشرقی قبرستان کے مغرب میں واقع گراونڈ جو اسی قبرستان کا وسیع رقبہ خالی پڑا ہے جس میں اکثر اوقات گاوں کے نوجوان کرکٹ کھیلتے نظر آتے ہیں، میں فانی صاحب کا جنازہ ادا کیا جائے۔میں بارہ بجے سکول سے نکل آیا گھر واپسی پر میں ایک بار پھر فانی صاحب کی خوشگوار یادوں میں کھو گیا۔ان کی دلکش شخصیت اور علمی وادبی قد وقامت پر سوچنے لگا اور ان کے تخلص کے ساتھ کبھی سابقے کبھی لاحقے لگانے لگا۔

حافظِ قرآن فانی صاحب شاعر وادیب فانی صاحب وہ بھی چار زبانوں پشتو، اردو، فارسی اور عربی کا شاعر،

سابق صدرالمدرسین کا صاحبزادہ فانی صاحب' حقانیہ جیسے شہرہ آفاق جامعہ میں استادِ حدیث وتفسیر فانی صاحب اور صاحبِ قلم وکتاب فانی صاحب' وغیرہ وغیرہ کیا شان ہے فانی صاحب کی۔ فانی صاحب گئے ان کے اوصافِ حمیدہ باقی ہیں علاوہ ازیں ان کے ہزاروں شاگرد فارغ التحصیل شاگرد جب تک زندہ رہیں گے علومِ نبوت کا درس دیتے رہیں گے۔فانی صاحب کا فیض بالواسطہ یا بلا واسطہ جاری رہے گا۔اکبرالہ آبادی نے شاید فانی جیسے نابغہ ہستی کے لیے دعا کی تھی:

عطا کر قسمت تصنیف سعدی یارب !اس گل کو پھلے پھولے زمانے میں گلستان بوستان ہوکر

میں سکول سے گھر پہنچا۔ظہرانے سے فارغ ہوا تو نماز کی تیاری کی۔نماز پڑھی تو پھر سوچنے کا وقفہ ملا کیونکہ تین بجے میں ابھی گھنٹہ ہوا' گھنٹہ باقی تھا۔

آہ فانی صاحب ! آپ خاموش ہوگئے آپ کی یہ لمبی خاموشی ہم پر شاق گزر رہی ہے۔آپ اپنے خالقِ حقیقی سے ملنے کو اتنے بیتاب ہے آپ مجھ پر سبقت لے گئے۔ باری میری تھی کیونکہ میری عمر آپ سے زیادہ ہے بزرگ آپ ہیں کیونکہ بزرگی بہ کمال نہ کہ بہ سال۔آپ شاید اس کمالی بزرگی کے تقاضے سے مجبور تھے آپ ایسا نہ کرتے تو بہتر ہوتا۔ابھی آپ نے بہت کچھ پڑھنا پڑھانا تھا لکھنا لکھانا تھا۔آپ کے تمام چاہنے والے آپ کے آئندہ مرتب ہونے والے آثار سے محروم ہوگئے۔

آپ کو جانے کی جلدی بھی تھی اور بہت کچھ تحریری مشکل میں چھوڑنے کی آرزو بھی تھی۔ یہ آرزو آخری دم تک آپ کا ساتھ نہ چھوڑ سکی۔ بیماری کے باعث آپ نحیف ونزار تھے لیکن بہت کچھ لکھنے لکھانے کی یہ آرزو ابھی جوان تھی۔تبھی تو آپ نے اپنے بسترِ مرگ کے دائیں بائیں دو شاگردوں کو بٹھالیا تھا۔

آپ کہتے رہے وہ لکھتے رہے۔آپ لکھاتے رہے وہ بڑے تحمل سے آپ کیسے کو نقش کرتے رہے۔یوں کئی کاپیاں آپ کے لافانی نقوش سے مزین ہوگئیں۔وقت کی کمی آڑے نہ آئی۔آپ نے زندگی کے آخری لمحات کو خالی خولی اپنے ہاتھ سے جانے نہ دیا۔وقت پر آپ کی گرفت کتنی سخت رہی۔آپ وقت سے کام لینے میں کتنے ماہر تھے یہ بات آپ نے ہمیں جاتے جاتے بتادی۔ ماشا اللہ آپ نے شاید اکبرالہ آبادی کا یہ شعر کہیں پڑھ لیا تھا اور حرزِ جان بھی بٹالیا تھا۔

کام کی بات جو کہنی ہو وہ کہہ لو اکبر دم میں چھن جائے گی یہ طاقتِ گویائی بھی

اڑھائی بج گئے۔ میں گھر سے نکلا گراونڈ کی جانب گامزن ہوا۔گلی سے نکل کر سڑک پر جو آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک خلقت امڈی چلی آرہی ہے۔کوئی پیدل کوئی سائیکل ،موٹر سائیکل پر ،موٹر کاریں ،فلائنگ کوچ ایک کے پیچھے دوسری اور دوسری کے پیچھے تیسری ، قطار اندر قطار فانی صاحب کے عقیدت مند تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے آگے بڑھ رہے

ہیں میں ایک بار پھر فانی صاحب کی مقناطیسی شخصیت پرغور کرنے لگا۔اس مرتبہ میری سوچ میرا سرمایہ ثابت ہورہے تھے۔مولانا ابوالکلام آزاد نے کسی جگہ لکھا ہے۔دنیا کا خوش قسمت اور بلند مرتبہ انسان وہ ہے جو بیک وقت مدرس،مقرراورمحرر ہو، فانی صاحب بھی ان خوش قسمت اور بلند مرتبہ انسانوں میں سے ایک تھے۔

میں گراونڈ پہنچ گیا اس بار میں اکیلانہیں تھا۔میرے آگے پیچھے ایک قافلہ رواں دواں تھا میں نے پہلی صف میں جگہ بنالی۔لوگ آرہے تھے ایک کے بعد ایک سب فانی صاحب کے عقیدت مند،ضلع صوابی کے مردان کے،سوات اور بونیر سے آنے والے معلوم ہوا کہ ضلع دیر کے آخری سرے سے فانی صاحب کا ایک دوست فضلِ عظیم صاحب بھی ہانپتے ہانپتے پہنچ گئے۔

میری سوچ کے جگنوغم کے اندھیرے میں پھر جگمگ کرنے لگے۔فانی صاحب دارِحشر کے دربار میں پیش ہوں گے تو اکیلے نہ ہوں گے۔ان کے ساتھ ان کے عالم وفاضل شاگردوں کا ایک ہجوم بھی ہوگا۔صدقہ جاریہ کے طور پر۔اور فانی صاحب کے اخلاص،محبت،درویش طبعی،علمیت،تدریسی خدمت،للّٰہیت کے اطمینان بھرے لمحات بھی گواہوں کی صورت میں ان کیساتھ ہوں گے میں یہی کچھ سوچ رہا تھا کہ جنازگاہ میں لگے لاوڈاسپیکر پر فانی صاحب کے چیدہ چیدہ ساتھی اساتذہ اورفاضل شاگرد باری باری آنے لگے۔فانی صاحب کی علمی وتدریسی خدمات کو بیان کرتے آنے والے عقیدت مندوں کا شکریہ بھی ادا کیا۔

اس دوران میں صفیں درست ہوتی رہیں انھوں نے بیانات کے بعد محمود زکی کی دستار بندی کی۔ان کے لیے دعا کی کہ اللہ محمود زکی کو فانی صاحب کا صحیح جانشین بنائے آمین۔

اس دنیائے سودوزیاں کے اکثر لوگ ذوق دہلوی کے اس شعر کے مصداق آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔

لائی حیات،آئے قضا لے چلی،چلے اپنی خوشی سے آئے نہ اپنی خوشی چلے

فانی صاحب بے شک اپنی خوشی سے تو نہ آئے تھے لیکن رخصت ہونے میں ان کی فانی رضا شامل تھی۔وہ اپنے حصے کا کام خوشی خوشی نمٹا کر چلے گئے۔خوب تیاری کر کے گئے وہ سب کام بخوشی سرانجام دئے جو اللہ تعالی نے ان کے ذوق کے مطابق ان کے ذمے لگائے تھے۔ایک انگریز دانش ور کا قول ہے: کہ وہ انسان خوش نصیب ہے جسے منصب بھی اس کے ذوق کے مطابق ملے۔تدریس،تحریراورتقریر جو ہرکسی کے بس کی بات نہیں اللہ تعالی نے یہ سب اہم کام فانی صاحب کے لیے آسان بنادئے تھے۔تب تو ہم ان کی زندگی پر رشک کرتے رہے اور آج ان کے عقیدت مندوں کا ہجوم دیکھ کر ہمیں ان کی موت پر بھی رشک آیا:

موت اس کی ہے کرے جس کا زمانہ افسوس
ورنہ دنیا میں سبھی آتے ہیں مرنے کے لیے